 (قسط ۱)

مولانا محمد تقی امینی

# ایک غلط بات کی اصلاح

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيٓ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا الخ

بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ مچھر کی یا اس سے زیادہ حقیر چیز کی مثال دے جو ماننے والے ہوتے ہیں وہ اس کو اپنے رب کی طرف سے حق جانتے ہیں اور جو ماننے والے نہیں ہوتے ہیں وہ احقارت کے انداز میں کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اللہ اس کے ذریعہ بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ انہیں لوگوں کو کرتا ہے جو اللہ کی وفاداری سے باہر، فاسق ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد (پیمان وفا) کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے - اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں - یہی لوگ خسارہ والے ہیں -

ملہ اوپر رسالتؐ کے ثبوت میں قرآن کو بطور دلیل پیش کیا گیا تھا اب ایک ایسی غلط بات کی اصلاح کی جارہی ہے جو عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اور جس کا اثر صرف قرآن ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ اللہ کی کوئی کتاب اس سے محفوظ نہ تھی غلط بات یہ کہ کسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے یا کسی بات کو سمجھانے کے لئے مثالیں دینا یا مثالوں میں حقیر و کمتر چیزوں (مکھی، مچھر، مکڑی کے جالوں وغیرہ) کا ذکر کرنا اللہ کی شان سے بعید اور اس کی عظمت و بڑائی کے خلاف ہے اس بنا پر جس کتاب میں یہ مثالیں ہوں گی وہ اللہ کی کتاب نہیں ہو سکتی ہے -

آیت میں غلط بات کی اصلاح اس طرح کی گئی ہے کہ کسی حقیقت کو ظاہر کرنے یا کسی بات کو سمجھانے کے لئے مثالوں سے کام لینا نہ اللہ کی شان سے بعید ہے نہ اس کی عظمت و بڑائی کے خلاف ہے، اور نہ اس سے شرمانے کی کوئی بات ہے - مثالوں میں

دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ جس حقیقت کو ان کے ذریعے سمجھایا گیا ہے ان سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے یا نہیں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس نے یہ مثالیں دی ہیں اور کس چیز کی دی گئی ہیں؟

قرآن میں بتوں کی بے کسی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لئے مکھی، مچھر اور مکڑی کے جالوں کی مثالیں دی گئی ہیں کہ جب یہ ان کی طرح اتنے بے بس و بے کس ہیں تو کسی کو فائدہ و نقصان پہنچانے کا اختیار کیوں کر رکھتے ہیں کہ جس کی بنا پر ان کی پوجا کی جائے یا ان سے نیازمندانہ تعلق رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے اس سے عمدہ مثال اور نہیں ہو سکتی ہے۔

مثالوں کے ذریعہ حقیقتوں کو سمجھانا ایسی فطری بات ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایتوں اور کتابوں میں ہمیشہ یہ طریقہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ کوئی کتاب اور کوئی پیغمبرانہ ہدایت اس طریقہ سے خالی نہیں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ سب سے زیادہ قریب ہے۔ ان کے یہاں بھی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں کی ایک بڑی خرابی کو مچھر کے چھاننے اور اونٹ کو نگل جانے کی مثال سے سمجھایا اور فرمایا کہ "تم مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو"۔ یہودیوں میں بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ انھوں نے زندگی کے اہم اصول اور انسانیت کی بڑی بڑی باتوں سے بے توجہی اختیار کر رکھی تھی اور چھوٹی چھوٹی فروعی باتوں میں الجھے رہتے تھے۔ اس صورت حال کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذکورہ مثال سے سمجھایا اور یہ واقعہ ہے کہ صورت حال کی جتنی وضاحت مثال کے ذریعہ ہوئی اس کے بغیر نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بڑی خرابی یہودیوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر اس قوم اور جماعت میں دیکھی جا سکتی ہے جو گراوٹ و زوال کے دور سے گزر رہی ہو۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ مثال بھی ان قوموں اور جماعتوں پر اسی طرح صادق آتی رہے گی جس طرح یہودیوں پر آئی تھی۔

ملے قرآن ایسی مثالوں کے ذریعہ ایک اور فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے ذریعہ حق بات قبول کرنے کی صلاحیت، روحانی کیفیت یا قلب کی روشنی، کو جانچتا اور پرکھتا ہے، جن میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ ان مثالوں کو اپنے رب کی طرف سے

حق سمجھتے ہیں اور جن میں یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے وہ ان کا مذاق اڑاتے اور ان کو حق سے انکار کے لئے بہانہ بناتے ہیں اس طرح یہ مثالیں ہدایت و گمراہی کی صلاحیت جانچنے کے لئے گویا BAROMETER کا کام دیتی ہیں جس طرح ہوا کے دباؤ کے ناپنے کا آلہ (BAROMETER) ہوتا ہے ۔ اسی طرح یہ مثالیں اندرونی کیفیت کے ناپنے و جانچنے اور پرکھنے کا آلہ ہیں ۔ اسی بنا پر فرمایا:

| | |
|---|---|
| یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ | اللہ اس کے ذریعہ بہت سوں کو |
| بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ | گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو |
| بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ | ہدایت دیتا ہے ۔ گمراہ انہیں لوگوں |
| | کو کرتا ہے جو فاسق ہیں ۔ |

۳۵ فاسق یہاں ہلکے پھلکے مفہوم میں نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ نہایت گہرے مفہوم میں اس کا استعمال ہوا ہے جیسا کہ آگے اس کے تعارف سے ظاہر ہوتا ہے ۔ فاسق کے تعارف میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ۔

۱ ۔ اس پیمانِ وفا سے باہر آ جانا جو اللہ اور بندے کے درمیان پیدائشی طور سے ہوتا ہے اور جس کی پختگی نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ برابر کرائی جاتی رہی ہے

۲ ۔ اس رشتۂ انسانیت کو توڑ دینا ہے جس پر انفرادی و اجتماعی فلاح و بہبود کا مدار ہے اور جس کے بغیر شخصی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات برقرار نہیں رہتے ہیں ۔

۳ ۔ پھر ان دونوں کا لازمی نتیجہ آپس میں فساد ہے ۔ جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے قرآن میں فاسق کا استعمال انسان کی صفت کی حیثیت سے اگرچہ نیا ہے عربی زبان میں اس سے پہلے ثبوت نہیں ملتا ہے لیکن استعمال ہر چھوٹی بڑی نافرمانی اور کفر و بغاوت تک میں ہوا ہے ۔ اس بنا پر یہاں اس کا خاص مفہوم آگے کے تعارف کی روشنی میں یہ ہے کہ " فاسق اللہ اور انسانیت کا وہ نافرمان ہے جس کی اندرونی روشنی بجھ چکی ہے اور حق بات قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے ۔ جس کی بنا پر خسارہ اس کا مقدر بن چکا ہے ۔"

## آخرت کا ثبوت

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ تا وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا پھر موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس واپس جاؤ گے ؎۱ اللہ وہ ہے جس نے تم سب کے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ؎۲ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔ ؎۳

؎۱ یہ خطاب بھی تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص گروہ و زمانہ کے لئے نہیں ہے پہلے اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ آخرت سے انکار گویا اللہ کا انکار ہے اس وجہ سے کہ آخرت کو مانے بغیر اللہ کو ماننے کی بات بے معنی رہتی ہے پھر خاص انداز میں آخرت کی زندگی کو سمجھایا اور فرمایا کہ تم پہلے بے جان تھے تمہیں زندگی ملی پھر موت آئیگی اس کے بعد اللہ ہی کی طرف واپسی ہوگی۔

یہ واپسی گویا اسی طرح ہوگی جس طرح کی واپسی اس "پردیسی" کی ہوتی ہے جو کمانے کے لئے باہر جاتا ہے اور پھر اپنے گھر واپس آتا ہے۔ آیت میں آخرت کی زندگی کے لئے رجوع (لوٹنا واپس ہونا) کا لفظ لایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی پہلے اللہ کے پاس تھی درمیان میں نیکی و بھلائی کمانے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی پھر اللہ ہی کے پاس واپس جائیگی لیکن اللہ کے پاس لوٹنے یا واپس ہونے سے پہلے موت ضروری ہے جس طرح ہر شئی کا تخم (بیج) مٹی میں ملنے کے بعد سرسبز و شاداب بن کر نکلتا ہے اسی طرح زندگی کا تخم (بیج) بھی مٹی میں ملنے کے بعد آخرت کی زندگی کی شکل اختیار کرتا ہے۔

پھر دلیل یہ بیان فرمائی کہ جس زندگی کے لئے زمین و آسمان کا نظام قائم کیا گیا اور جس کو پروان چڑھانے کے لئے ساری چیزیں پیدا کی گئیں اگر وہ زندگی اسی دنیا پر ختم ہو جاتی اور آگے نہ بڑھتی تو یہ سارا نظم و انتظام کھلنڈرے کا کھیل بن کر رہ جاتا اور چند دن زندگی گذار لینے کے علاوہ کوئی پائیدار مقصد اس سے نہ حاصل ہوتا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا کہ زندگی ہر قید و بند سے آزاد ہو کر اسی سطح پر آجاتی جو جانوروں کی سطح ہے حالانکہ

انسان انسان ہے جس کو اپنی عزت و شرافت برقرار رکھنے کے لئے پابندی ضروری ہے اور جانور جانور ہے جس کو اپنی زندگی گذارنے کے لئے انسان جیسی پابندی نقصاندہ ہے۔

زمین و آسمان کا انتظام اور اس کی ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ انسان اللہ کا فرمانبردار رہ کر اپنی عزت و شرافت کے ساتھ زندگی گذارنے اور چیزوں کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ان کو مفید و کارآمد ثابت کر دکھائے اگر بات اسی زندگی پر ختم ہو گئی آگے نہ بڑھی تو انسان نہ اپنی عزت و شرافت برقرار رکھنے میں کوئی ذمہ داری محسوس کریگا نہ دنیا کی بے شمار محرومیوں اور ناکامیوں کا صلہ پائے گا اور نہ چیزوں کو مفید و کارآمد ثابت کر دکھانے میں کوئی اعلیٰ مقصد (اللہ کی رضاء و خوشنودی اور آخرت میں کامیابی) سامنے رہے گا۔

رہی یہ بات کہ دوسری زندگی کہاں ہوگی؟ اس دنیا میں ہوگی یا اور کہیں ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں جسقدر ناگواریاں پیش آتی ہیں اور رنج و تکلیف کا تجربہ ہوتا ہے ان کے پیش نظر ہر شخص کا جی یہی چاہتا ہے کہ اب دوسری زندگی یہاں نہ ہو یا کم سے کم اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے نہ ہو پھر کہاں ہو؟ ایسی جگہ ہو جہاں ہمارا محبوب دل کا پیارا (اللہ) اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ نمودار ہو۔ آمنے سامنے گفتگو کے مواقع ہوں۔ وعدے وعید پورے ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھیں پھر انتہائی شکر گذاری کے عالم میں یہ کہتے ہوئے اس کے سامنے عجز و نیاز مندی کا سر رکھدیں۔

تیرے جلوؤں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھدی نگاہ بے زباں رکھدی

سلہ یعنی اللہ نے جتنی چیزیں پیدا فرمائیں وہ سب کے لئے ہیں ہر شخص ان کو لینے اور حاصل کرنے کا حقدار ہے اللہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے رکاوٹ جو کچھ ہے وہ اپنی طرف سے ہے کہ لینے اور حاصل کرنے کے لئے جیسی محنت تدبیر اور سعی و جہد درکار ہے وہ نہ ہو سکی یا رکاوٹ دوسروں کی طرف سے ہے کہ یہ لوگ وہ اسباب و ذرائع نہ مہیا کر سکے کہ جن سے دوسروں کو لینے اور حاصل کرنے میں سہولت ہوتی۔

سلہ سماء کے معنی بلندی اور وسعت کے ہیں۔ زمین سے اوپر آسمان کے نام سے جو

کچھ ہے اس کے بارے میں اب تک جتنا معلوم کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہے جو معلوم نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس کا اقرار ماہرین فن کو اچھی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ ماہرین فن جس قدر علم و تحقیق میں آگے بڑھتے جاتے ہیں ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اللہ کی غیر محدود قدرت اور جو کچھ آسمان کے نام سے ہے اس کی بے پایاں وسعت و بلندی معلوم کرنے میں اپنی بے بسی کے اقرار پر انہیں مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ معلوم ہے اس کو بنیاد بنا کر سات آسمان کی تفسیر کرنا اٹکل میں تیر چلانا ہے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سات آسمان کا مطلب اللہ کے علم کے حوالہ کیا جائے اور اس سے اللہ کی غیر محدود قدرت اور آسمان کی بے پایاں وسعت و بلندی کا یقین کیا جائے جیسا کہ خود آگے موجود ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اس سے بجائے خود انسان کی نارسائی کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کا پورا علم انسان کو نہیں اللہ کو ہے پھر دوسری جگہ طبقات کا ذکر ہے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ملک ۳ - نوح - ۱۵ - (سات آسمان اوپر تلے) ممکن ہے زمین سے اوپر جس قدر عالم ہیں اور وہ بہت ہیں ان کو سات طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہو اور بلندی و وسعت کے لحاظ سے ہر طبقہ کے آسمان علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں، یہ بھی ایک اندازہ ہے حقیقتِ حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔

علم و تحقیق کی جدید دنیا نے زمین سے اوپر آسمان کے متعلق جس قدر معلومات فراہم کی ہیں ان میں کوئی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہے البتہ اس کا کچھ حصہ قدیم علم و تحقیق کے بیشک خلاف ہے جس کو لوگوں نے قرآن کے خلاف سمجھ رکھا ہے۔

(جاری ہے)

قرآن ——— معیارِ حق و باطل اور
سنت ——— صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ ہے